✿✿✿ تقریر ✿✿✿

تقریر بابت سیرت رسولؐ
وقت5-7منٹ

اَلْمَعْرِفَۃُ رَاسُ مَالِیْ(حضرت محمدؐ)

معرفت میرا سرمایہ ہے
(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ:119)

کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ یَا سَیِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَجْہِ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ
لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

معزز سامعین! آج مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے شمائل و اخلاق کے حوالہ سے بیان 20 خصوصیات اور اوصاف میں سے پہلی خصوصیت "اَلْمَعْرِفَۃُ رَاسُ مَالِیْ" یعنی معرفت میرا سرمایہ ہے پر روشنی ڈالنی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی سیرت کے حوالہ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

اَلْمَعْرِفَۃُ رَاسُ مَالِیْ وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ، وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ، وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ، وَذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ، وَالثِّقَۃُ کَنْزِیْ، وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ، وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ، وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ، وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ، وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ، وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ، وَالصِّدْقُ شَفِیْعَتِیْ، وَالطَّاعَۃُ حَسَبِیْ، وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ وَثَمْرَۃُ فُؤَادِیْ فِیْ ذِکْرِہٖ وَغَمِّیْ لِاَجَلِ اُمَّتِیْ وَشَوْقِیْ اِلٰی رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ

(الشِّفَاءِ لقاضی عیاض بن موسیٰ صفحہ 81)

کہ معرفت میرا سرمایہ ہے اور عقل میرے دین کی بنیاد ہے اور محبت میری اساس ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکر الٰہی میرا مونس ہے اور وثوق میرا خزانہ ہے اور غم میرا رفیق اور علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضا میری غنیمت اور عاجزی میرا فخر ہے اور زُہد میرا پیشہ اور یقین میری قوت اور صدق میرا شفیع اور اطاعت میرا حسب، جہاد میرا خلق اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، ذکرِ الٰہی میرے دل کا پھل ہے اور میرا غم میری امت کے لئے ہے اور میرا اشوق اپنے رب عزّو جلّ کی طرف ہے۔

سامعین! آج کی گزارشات میں جو عنوان مَیں اوپر بیان کر آیا ہوں یعنی معرفت میرا راسُ المال ہے، میرا سرمایہ ہے۔ اِس میں لفظ معرفت اور راسُ المال کے لغوی معنی جاننے ضروری ہیں۔ معرفت عَرَفَ سے ہے جس کے معنے کسی کو جاننے، اُس کو پہچاننے اور شناخت کرنے کے ہیں۔ معرفت کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو اِس کے معانی علمِ الٰہی اور خداشناسی کے ہیں۔ جس کو آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا راسُ المال قرار دیا ہے۔ راسُ المال اُس پونجی اور سرمایہ کو بولتے ہیں جو تجارت میں اپنے اصل زر کو بڑھانے اور اُس میں اضافہ کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے۔ اور جو شخصیت معرفت الٰہی یعنی خداشناسی کو اپنا اصل زر قرار دے اُس سے

مبارک ہستی کون ہوسکتی ہے کیونکہ جس نے خدا کو پہچان لیا۔ اُسے اپنا بنالیا تو پھر سب کچھ اِسی میں آجاتا ہے۔ اگر خدا کو شناخت کر لیا تو اُس کی مخلوق کی قدر و قیمت کو شناخت کر لیا۔ اگر خدا کو پہچان لیا تو پھر دیگر نیکیوں اور اچھائیوں کے ذریعہ انسان آگے سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے یہی وہ تجارت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصف میں بیان فرمایا ہے۔ جو عذاب الٰہی سے محفوظ رکھتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ معرفت اور عرفان کے کیا ہی خوبصورت معنی یوں بیان کرتے ہیں:

”عرفان اور معرفت عربی کے لفظ ہیں جو قریباً علم کے مترادف ہیں۔ مگر علم اور اِن میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ علم میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ بغیر کوشش اور تدبیر کے بھی حاصل ہو جاتا ہے مگر عرفان غور اور فکر سے حاصل ہو سکتا ہے اور گو علم کا لفظ عرفان کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مگر عرفان کے معنوں میں یہ شرط پائی جاتی ہے کہ غور اور فکر کے بعد حاصل ہو۔ گویا ان میں عموم اور خصوص کی نسبت ہے۔ علم عام ہے اور عرفان خاص۔ اِسی لئے عربی کے محاورہ کے ماتحت یہ تو کہتے ہیں کہ عَرَفَ رَبَّہٗ بندہ نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ مگر یہ نہیں کہتے کہ عَرَفَ عَبدَہٗ۔ اللہ نے بندہ کو پہچان لیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی نسبت علم کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا کو کسی فکر اور غور کی ضرورت نہیں۔ پس خدا تعالیٰ کے علم کے متعلق عرفان کا لفظ نہیں بولا جاسکتا بلکہ یہ بندہ کے علم کے متعلق ہی بولا جاتا ہے۔ عرفان کے معنی یہ ہوئے کہ فکر، غور اور تدبُّر کے بعد انسان کو خدا تعالیٰ کی ہستی کا علم حاصل ہو اور وہ اپنے رب کو پہچان لے۔ پہچاننے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ باتیں جو کسی میں خاص طور پر پائی جاتی ہیں اور دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں ان کے ذریعہ سے اس کی شناخت کرے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ زید نے بکر کو پہچان لیا تو اس کا یہی مطلب ہو گا کہ وہ باتیں جو خاص بکر میں پائی جاتی تھیں اور دوسروں میں نہیں۔ ان کے ذریعہ اس نے بکر کو مشخّص کر لیا کہ فلاں شخص بکر ہے۔ اسی طرح **عرفانِ الٰہی کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ بندہ نے خدا تعالیٰ کی جو صفات آسمانی کتاب میں پڑھیں اور معلوم کی ہیں کہ خدا ایسا رحیم و کریم ہے، ایسا ستّار و غفّار ہے، اس کو ایک ہستی مل جاوے کہ جس میں وہ صفات پائی جاتی ہوں اور وہ ان صفات کا مشاہدہ کرلے۔** ورنہ عرفان کے یہ معنی نہیں کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا رحیم، کریم اور رحمٰن ہے کیونکہ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہی ہے اور اگر یہی عرفان ہوتا تو اور زیادہ عرفان حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہ رہتی اور خدا تعالیٰ کی مختلف صفات جو قرآن اور حدیث میں بیان کی گئی ہیں ان کو معلوم کر کے ہر ایک انسان عارف کہلا سکتا ہے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ سب لوگ مانتے ہیں کہ خدا رب ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ خدا رحیم ہے۔ وہ اقرار کرتے ہیں کہ خدا کریم ہے۔ حفیظ ہے۔ مھیمن ہے مگر ان کو عارف باللہ نہیں کہا جاتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض خدا تعالیٰ کی صفات کو جان لینے سے کوئی عارف نہیں ہو سکتا۔ دراصل عارف باللہ وہ ہوتا ہے جو خدا کو پہچان لیتا ہے اور اس پہچاننے کی تشریح یہ ہے کہ اس میں جو باتیں ایسی ہیں جو اور کسی ہستی میں نہیں پائی جاتیں ان کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے سنا ہو کہ زید کی شکل ایسی ہے۔ اس کی عادات ایسی ہیں۔ اس کی صفات ایسی ہیں۔ اس کا قد اتنا، وہ کپڑے اس طرح کے پہنا کرتا ہے یہ زید ہے تو کہیں گے کہ اس نے زید کو پہچان لیا۔ اسی طرح عرفان الٰہی کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات کا علم حاصل ہونے کے بعد انسان کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ صفات جو ایک ہستی میں بتائی جاتی ہیں وہ فلاں ہے۔ ایسا انسان صرف یہی نہیں جانتا کہ ایسی ہستی ہے۔ بلکہ وہ ہستی کو دیکھ بھی لیتا ہے۔“

(عرفان الٰہی از انوار العلوم جلد 9 صفحہ 343-344)

پھر آپؓ فرماتے ہیں:

”خدا تعالیٰ کی صفات اپنے اندر پیدا کرنا معرفت الٰہی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک انسان ایک قسم کا رب نہ ہو ایک قسم کا رحمٰن نہ ہو، ایک قسم کا رحیم نہ ہو، مھیمن نہ ہو، ستّار نہ ہو، غفّار نہ ہو، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا مظہر انسان نہیں ہو سکتا اور جتنا جتنا صفاتِ الٰہیہ کا پَرتَو اس پر پڑتا جائے گا اسی قدر وہ صفات الٰہیہ کا مشاہدہ کرتا جائے گا۔ لیکن کامل انسان وہی ہو گا اور وہی عارف ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کو جو بندہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اپنے اندر پیدا کرے۔ اس کے بعد خدا کا ملنا اس کے لئے آسان ہو جائے گا کیونکہ اس میں اور خدا میں ایک تعلق پیدا ہو جائے گا۔ اب سوال ہوتا ہے کہ صفاتِ الٰہی اپنے اندر کیونکر پیدا کی جائیں۔ کسی نے کہا ہے۔

دردِ سر کے واسطے صندل کو کہتے ہیں مفید
اس کا گھسنا اور لگانا دردِ سر یہ بھی تو ہے

تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ نکتہ تو معلوم ہو گیا کہ عرفانِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے خدا کی صفات حاصل کر لینی چاہئیں۔"

(عرفان الٰہی از انوار العلوم جلد 9 صفحہ 357)

سامعین! معرفتِ الٰہی اور عرفانِ الٰہی بہت وسیع مگر لطیف مضمون ہے۔ اِس کی تعریف تو مَیں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ معرفت الٰہی کی اقسام کیا ہیں۔ اِن کے حصول کے کیا طریق ہیں۔ صفاتِ الٰہیہ کیسے اپنے اندر پیدا کریں۔ اعمالِ صالحہ اور تزکیہ نفس کیسے ہو۔ اِن تمام کو اِس عنوان کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مجھے آج اِس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل سے ایسے واقعات بیان کرنے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہو کہ آپؐ نے معرفت الٰہی کو داسُ الماِل سمجھ کر کس طرح حاصل کیا۔ کس طرح آپؐ عاشق الٰہی بنے۔ کس طرح آپؐ نے ذکر الٰہی کیا۔ کس طرح حقیقی عبد بن کر عبادات، نوافل اور نماز کے ذریعہ، قرآن کریم کی تلاوت کے ذریعہ، مخلوق خدا سے محبت کے ذریعہ عرفانِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی حاصل کیا۔ کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ معرفتِ الٰہی مخلوق میں سے اشرف المخلوقات ہی حاصل کر سکتی ہے۔ چرند پرند، جانور اور کیڑے مکوڑے اِس قابل نہیں۔ نہ اُن کے پاس سوچ ہے، نہ عقل اور نہ استعدادیں۔ یہ صرف انسان کے حصّہ میں آئی جس کے اندر دو محبتیں جمع ہیں۔ ایک اللہ کی محبت اور دوسرے اُس کی مخلوق سے محبت اور اِس کے لئے سب سے بہتر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مبارک ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا سے محبت اور اُس کی اطاعت کے حوالہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنے محامد اور ثناء کے معارف اِس طور پر کھولے ہیں کہ مجھ سے قبل کسی اور شخص پر اس طرح نہیں کھولے گئے۔

(بخاری کتاب التفسیر)

پھر حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سورۃ النصر نازل ہونے کے بعد جب بھی آپؐ نماز پڑھتے تو اس میں بکثرت یہ دعا مانگتے۔

اے ہمارے پروردگار! تُو پاک ہے ہم تیری حمد کرتے ہیں۔ اے میرے اللہ! تو مجھے بخش دے۔

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ النصر)

سامعین! جنگ اُحد میں جب مسلمانوں کو وقتی طور پر ہزیمت اُٹھانی پڑی اور حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف ایک قلیل جماعت رہ گئی تو ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا کہ کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اُس نے اِس اعلان کو تین بار دہرایا لیکن حضورؐ نے صحابہؓ کو جواب دینے سے منع فرمایا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے یکے بعد دیگرے ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکرؓ)، ابن الخطاب (حضرت عمرؓ) کا نام لے لے کر پکارا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جواب دینے سے روکا۔ اِس پر اُس نے فخریہ انداز میں باآواز بلند کہا۔ اُعْلُ هُبَلَ، اُعْلُ هُبَلَ کہ اے ہبل بُت! تیری بلندی ہو۔ اِس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اِس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے عرض کی کہ ہم کیا جواب دیں۔ حضورؐ نے جلالی انداز میں فرمایا۔! کہو اللہ اعلیٰ و اجلّ کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بلند رتبہ اور سب سے بڑی شان والا ہے۔ اِس پر ابوسفیان نے ایک بار پھر عزّیٰ بُت کا ذکر کیا۔ جس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اللّٰہُ مولانا وَلَا مَوْلیٰ لَکُمْ کہنے کا صحابہؓ کو ارشاد فرمایا۔ جس کے معنی ہیں کہ خدا ہمارا دوست و کارساز ہے اور تمہارا کوئی دوست نہیں۔

(بخاری کتاب الجہاد)

سامعین! مقولہ "ہر کہ عارف تراست ترساں تر" بھی معرفت و عرفانِ الٰہی ہی کی ایک نشانی ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر خشیتِ الٰہی اور اللہ کا خوف اور ڈر ہمیشہ سمویا رہا۔ بدر کے میدان میں آپ کی دُعا اَللّٰھُمَّ اِنْ تَھْلِكْ ھٰذِہِ الْعِصَابَةِ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ (تاریخ طبری) کہ اے میرے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت آج ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تجھے پوجنے والا کوئی نہ رہے گا۔ ہجرت کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ کی گھبراہٹ کو دیکھ کر لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے الفاظ بھی آپ کے اُس عرفان پر دلالت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پہچان کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ادا کیا تھا۔ آپؐ کا عرفانِ الٰہی کو جانچنے کا ایک پیمانہ آپؐ کی دعائیں تھیں جو صبح و شام، دن و رات، چاشت و اشراق سورج چڑھتے اور سورج غروب ہوتے، ہر وقت دُعا میں مصروف رہتے تھے۔

آپؐ رات کو سوتے دُعا کرتے، صبح ہوتی تو دُعا کرتے۔ گھر میں داخل ہوتے دُعا کرتے، گھر سے باہر نکلتے دُعا کرتے۔ مسجد میں داخل ہوتے دُعا کرتے، مسجد سے باہر آتے دُعا کرتے، بازار میں جاتے تو دُعا کرتے، واش روم میں جاتے دُعا کرتے، وہاں سے نکلتے دُعا کرتے۔ کھانا کھاتے دُعا، کھانا ختم کرتے دُعا۔ نیا پھل کھاتے دعا، نیا کپڑا پہنتے دُعا۔

نیا چاند دیکھ کر دُعا، چھینک آنے پر دُعا۔ الغرض زندگی کا وہ کون سا موڑ تھا جہاں آپؐ دُعا نہ کرتے اور اپنے صحابہؓ کو دُعا نہ سکھلاتے۔ انہی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہوتا ہے اللہ سے شناسائی ہوتی ہے۔ اُس کی پہچان ہوتی ہے اِسے ہی معرفت کہتے ہیں جسے آپؐ نے اپنا راسُ المال قرار دیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے آنحضرت سرورِ کائنات و فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں درست فرمایا ہے کہ "مُنتہائے معرفت علم رخت" کہ اللہ تعالیٰ کی معرفتِ تامّہ اُسی کو ہو سکتی ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مقام اور اصل درجۂ رفعت دیکھ لیا ہے۔

(زندہ جاوداں نبیؐ آخر الزماں از مولوی ذوالفقار علی خان 2جون 1928ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے یہی قانون ٹھہرا رکھا ہے کہ پہلے وہ امور غیبیہ پر ایمان لا کر فرمانبرداروں میں داخل ہوں اور پھر عرفان کا مرتبہ عطا کر کے سب عقدے ان کے کھولے جائیں لیکن افسوس کہ جلد باز انسان اِن راہوں کو اختیار نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کا قرآن کریم میں یہ وعدہ ہے کہ جو شخص ایمانی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو مان لیوے تو وہ اگر مجاہدات کے ذریعہ سے ان کی حقیقت دریافت کرنا چاہے وہ اس پر بذریعہ کشف اور الہام کے کھولے جائیں گے اور اس کے ایمان کو عرفان کے درجہ تک پہنچایا جائے گا"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد نمبر 5 صفحہ 253 حاشیہ)

فرمایا:

"اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان نہ تو واقعی طور پر گناہ سے نجات پا سکتا ہے اور نہ سچے طور پر خدا سے محبت کر سکتا ہے اور نہ جیسا کہ حق ہے اس سے ڈر سکتا ہے جب تک کہ اسی کے فضل اور کرم سے اس کی معرفت حاصل نہ ہو اور اس سے طاقت نہ ملے اور یہ بات نہایت ہی ظاہر ہے کہ ہر ایک خوف اور محبت معرفت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں جن سے انسان دل لگاتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے یا ان سے ڈرتا ہے اور دور بھاگتا ہے۔ یہ سب حالات انسان کے دل کے اندر معرفت کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ معرفت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ اور نہ مفید ہو سکتی ہے جب تک خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو اور فضل کے ذریعہ سے معرفت آتی ہے۔ تب معرفت کے ذریعہ سے حق بینی اور حق جوئی کا ایک دروازہ کھلتا ہے۔ اور پھر بار بار دور فضل سے ہی وہ دروازہ کھلا رہتا ہے اور بند نہیں ہوتا۔ غرض معرفت فضل کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے اور پھر فضل کے ذریعہ سے ہی باقی رہتی ہے۔ فضل معرفت کو نہایت مصفّٰی اور روشن کر دیتا ہے اور حجابوں کو درمیان سے اٹھا دیتا ہے اور نفس امّارہ کے گردوغبار کو دور کر دیتا ہے اور روح کو قوت اور زندگی بخشتا ہے اور نفسِ امّارہ کو امّارگی کے زندان سے نکالتا ہے اور بدخواہشوں کی پلیدی سے پاک کرتا ہے اور نفسانی جذبات کے تند سیلاب سے باہر لاتا ہے۔ تب انسان میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی گندی زندگی سے طبعاً بیزار ہو جاتا ہے۔"

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 221-222)

"گناہ پر دلیری کی وجہ بھی خدا کے خوف کا دلوں میں موجود نہ ہونا ہے۔ لیکن یہ خوف کیونکر پیدا ہو۔ اس کے لیے معرفت الٰہی کی ضرورت ہے۔ جس قدر خدا تعالیٰ کی معرفت زیادہ ہوگی اسی قدر خوف زیادہ ہوگا۔ ہر کہ عارف تر است ترساں تر۔ اس امر میں اصل معرفت ہے اور اس کا نتیجہ خوف ہے۔ معرفت ایک ایسی شئے ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انسان ادنیٰ ادنیٰ کیڑوں سے بھی ڈرتا ہے۔ جیسے پسّو اور مچھر کی جب معرفت ہوتی ہے تو ہر ایک اُن سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ خدا جو قادر مطلق اور علیم اور بصیر ہے اور زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے، اس کے احکام کے برخلاف کرنے میں یہ اس قدر جرأت کرتا ہے۔ اگر سوچ کر دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ معرفت نہیں۔ بہت ہیں کہ زبان سے تو خدا تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں لیکن اگر ٹٹول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ان کے اندر دہریت ہے کیونکہ دنیا کے کاموں میں جب مصروف ہوتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے قہر اور اس کی عظمت کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ اس لیے یہ بات بہت ضروری ہے کہ تم لوگ دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معرفت طلب کرو۔ بغیر اس کے یقین کامل ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ اس وقت حاصل ہوگا جبکہ یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کرنے میں ایک موت ہے۔ گناہ سے بچنے کے لیے جہاں دعا کرو وہاں ساتھ ہی تدابیر کے سلسلہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑو اور تمام محفلیں اور مجلسیں جن میں شامل ہونے سے گناہ کی تحریک ہوتی ہے ان کو ترک کرو اور ساتھ ہی دعا بھی کرتے رہو۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ نمبر 95-96۔ ایڈیشن 2003ء)

آپ علیہ السلام، سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفتِ الٰہی کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’مَیں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر)۔ یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اِس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریّتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اُس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اُس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اِسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اِسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اِسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں‘‘

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 118-119)

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’پس یہ وہ مقصد ہے جس کے لئے آپؐ مبعوث ہوئے تھے کہ خدا تعالیٰ کی ایسی معرفت ہم میں پیدا فرمائیں گویا ہم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہیں اور اپنے ہر فعل کو خدا تعالیٰ کی محبت اور اُس کے خوف کو سامنے رکھتے ہوئے بجالائیں۔ ایسی معرفت الٰہی ہم میں پیدا ہو جائے جو ہمارے تمام گناہوں کو جلا دے اور ہم آپ کے بعثت کے مقصد کو پورا کرنے والے بنیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی اور اس روح کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔‘‘

(خطبہ جمعہ 14 مارچ 2014ء)

پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’ایک اعلیٰ انسان اور عبدِ رحمٰن کا مقام جو کسی کو ملا وہ سب سے اعلیٰ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اور بندے کی پہچان اپنی ذات کی پہچان اور خدا تعالیٰ کی ذات کی پہچان کرانے کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ توحید کے قیام کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے اور ساری زندگی اسی میں آپؐ نے گزاری۔ اور یہی آپ کی خواہش تھی کہ دنیا کا ہر فرد ہر شخص اس توحید پر قائم ہو جائے۔ اور اس زمانے میں بھی آپؐ کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی پہچان اس تعلیم کی رو سے ہمیں کروائی۔ پس ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں خدائے واحد کی عبادت اور اس کے نام کی غیرت کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں تبھی ہم حقیقت میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا کلمہ پڑھنے والے کہلا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔‘‘

(خطبہ جمعہ 4 فروری 2005ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: منہاس محمود۔ جرمنی)